Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2024; Vol 03 (Issue 01)
PP. 87-96 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر زینت افشاں
اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی اردو یونیورسٹی آف آرٹ، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد کیمپس
ڈاکٹر شاہدہ رسول
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی ملتان

Dr. Zeenat Afshan
Assistant Professor, Federal Urdu University of Art, Science and Technology, Islamabad Campus
Dr. Shahida Rasool
Assistant Professor, Urdu Department, The Women University Multan

”شاہ جو رسالو“ از شاہ عبداللطیف بھٹائی: ایک مطالعہ

"Shah Jo Risalo” by Shah Abdul Latif Bhitai: A Study

Abstract:

The popular and well-known Sufi poet of Sindh, Shah Abdul Latif Bhitai's anthology called "Shah Jo Risalo". Although, his circumstances of life are unexplored. There is also a difference of opinion among researchers regarding his date of birth. Nevertheless, Shah Abdul Latif remained safe in the hearts of the people due to the popularity of Bhittai's poetry. People from different religions and sects entered his constituency. Even among people in different professions, his word has been and is equally popular. Poetry is still sung and recited at his shrine. People from all over the country gather at his shrine on the basis of faith. The words of Shah Abdul Latif Bhittai still satisfy the hearts of the people. His word is a message for the goodness of humanity.

Keywords: Shah jo Risalo, Sufi Literature, Music, Sindhi Poetry, Raag, Sassi Puno, Umer Marvi, Persian Poetry

"شاہ جو رسالو" کے خالق شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی تاریخ پیدائش کے متعلق محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم ڈاکٹر فہمیدہ حسین شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی پیدائش کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"شاہ عبد اللطیف بھٹائی کا جنم ۱۱۰۲ھ بمطابق ۹۰۔۱۶۸۹ میں ہوا اور وفات ۱۶۔صفر ۱۱۶۵ھ بمطابق ۱۷۵۲ میں ہوئی"(۱)

شاہ صاحب کے مقام پیدائش کے حوالے سے کئی آرا ملتی ہیں لیکن زیادہ تر محققین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ وہ تحصیل ہالہ کے ایک گاؤں بھئی پور (بیئی پور) میں پیدا ہوئے۔ یہ مقام بھٹ شاہ سے نو کوس دور واقع ہے تاہم کچھ محققین حیدر آباد سندھ کے ایک گاؤں سئی قندر کو ان کی جائے پیدائش قرار دیتے ہیں۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں۔ مختلف روایات سے جو معلومات حاصل ہوئیں ہیں ان میں حوالے کی دو کتابیں مستند ہیں۔ پہلی کتاب مرزا قلیچ بیگ کی "احوال شاہ عبد اللطیف بھٹائی" ہے اور دوسری میر عبد الحسین سانگی کی کتاب "لطائف لطیفی" ہے۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کا پورا نام شاہ عبد الطیف بن سیّد حبیب بن عبد القدوس بن سیّد جمال ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب ہرات کے سیّد خاندان سے ملتا ہے۔ ان کی زندگی کے ابتدائی ایام کے متعلق سید عابد مظہر لکھتے ہیں:

"آپ کی زندگی کے ابتدائی سال ہالہ حویلی میں گزرے۔ کچھ دنوں بعد آپ کے والد کوٹری میں آباد ہو گئے۔ وہیں آپ سنِ بلوغت کو پہنچے۔"(۲)

فقر و استغنا ان کو وراثت میں ملا۔ ان کے والد شاہ حبیب مشہور صوفی شاعر شاہ کریم (بلڑی والا) کے خاندان سے تھے۔ اگرچہ ان کی والدہ محترمہ کا تعلق سیّد گھرانے سے نہیں تھا لیکن وہ مزاجاً فقیر اور درویش منش تھیں۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی تربیت والدہ کے ہاتھوں ہوئی۔ ان کا خاندان دنیاوی لحاظ سے بے حد با اثر تھا لیکن اس کے باوجود ان کے اندر عام سیّد زادوں جیسی عادات و اطوار نہیں تھیں۔ ان کے طور طریقے ابتدا ہی سے الگ تھلک تھے۔ نیکی اور شرافت ان کے مزاج کا لازمی حصّہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی رنگینی و دلکشی انہیں متاثر نہ کر سکی۔ البتہ انہیں سیر و سیاحت سے دلچسپی تھی۔ سیر و سیاحت کے اس قدر دلدادہ تھے کہ انہوں نے سندھ کے قرب و جوار کے علاقوں کا سفر کیا اور شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جسے نہ دیکھا ہو۔ ان علاقوں میں ملتان، جیسلمیر، کچھ، کاٹھیاواڑ، لسبیلہ، راہوت اور مکران شامل ہیں۔

سیر و سیاحت کے دوران ان کی ملاقاتیں مختلف مکاتب فکر اور مذاہب کے لوگوں سے ہوئیں۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی شخصیات سے بھی ملاقاتیں کیں اور ان کا بہت سا وقت ایسی شخصیات کی صحبت میں گزرتا۔ انہیں مذہبی پیشواؤں کی

بدولت وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مذہبی رسومات کس قدر دکھاوے اور کھوکھلے پن کا شکار ہیں۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی فکر ان کے مشاہدات کا نچوڑ ہے کہ زندگی کی اصل حقیقت خدا اور انسانیت سے محبت ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے لیے ایک الگ گاؤں کی بنیاد رکھی جسے بھٹ کہتے ہیں۔ بھٹ کا مطلب ریت کا ٹیلہ ہے۔ یہ کوٹری سے قریب ایک جگہ پر واقع تھا۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی نے اپنی زندگی کے بقیہ ایّام اسی جگہ پر گزارے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شہرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان کے حلقۂ ارادت میں بہت سے لوگ شامل ہو گئے جس کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لوگ ہمہ وقت ان کے پاس موجود رہتے اور فیض حاصل کرتے۔ ان کے انتقال کے بعد والیٔ سندھ غلام شاہ کلہوڑہ نے ان کا مزار بڑی محبت اور عقیدت سے تعمیر کروایا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید کے مطابق:

> "شاہ عبد اللطیف بھٹائی کا تعلق شعرا کے اس گروہ سے تھا جن کا صوفیانہ کلام پڑھ کر انسان اپنے اندر روحانی تازگی محسوس کرتا ہے"(۳)

ان کا کلام ہر مکتبہء فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کو یکساں متاثر کرتا ہے۔ خواہ کوئی خواندہ ہو یا ناخواندہ، استاد ہو یا کہ شاگرد، مزدور ہو یا محنت کش ہر ایک کو ان کا کلام اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ ہندو اور مسلمان یکساں ان کے کلام کے دیوانے ہیں۔ ان کے مزار پر اب بھی عقیدت مند جمع ہوتے ہیں اور عارفانہ کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے مجموعۂ کلام کا نام "شاہ جو رسالو" ہے۔ ان کے کلام کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کا کلام کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جن میں اردو، پنجابی، فارسی، انگریزی، عربی اور جرمن شامل ہیں۔

ان کا مجموعہء کلام پہلی مرتبہ جرمنی میں ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا۔ اسے ارنسٹ ٹرمپ نے شائع کرایا۔ ۱۹۶۳ء میں شیخ ایاز نے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ "شاہ جو رسالو" اس وجہ سے منفرد مقام و مرتبہ کا حامل ہے کہ اس میں وہ ابیات اور کافیاں شامل ہیں، جن کو مختلف سروں میں گانے کی غرض سے لکھا گیا۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی نے وائی کی صنف کو اپنے کلام میں خوب برتا ہے۔ سندھ کی روایتی شاعری کا اگر جائزہ لیا جائے تو بیت، دوہڑے (دوہے) اور وائی کی صنف موجود ہے۔ وائی سے مراد آواز، صدا اور انوکھی بات ہے۔ اپنی ہئیت کے اعتبار سے وائی ہندی بھجن اور کافی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس صنف کا تعلق گائے جانے سے ہے۔ لہٰذا موسیقی کے سروں میں اسے گایا جاتا ہے۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی نے حمد، نعت، منقبت اور مرثیہ بھی لکھا ہے۔ ان کے کلام میں کربلا کے واقعات کا پر تاثیر بیان ملتا ہے۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر دیگر شاعروں کا کلام

بھی ان کے حصّے میں ڈال دیا۔ بعد میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے نہایت عرق ریزی سے شاہ صاحب کے پچاس قلمی اور مستند نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مستند نسخہ تیار کیا جو اب دستیاب ہے۔ عبد اللطیف بھٹائی کی شاعری کے کئی رنگ ہیں ان میں نمایاں ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ سندھ کی سماجی زندگی اور مناظرِ فطرت کی عکاسی کرتے ہوئے انہوں نے سندھ کے صوفیا و اولیا کرام کی صفات اور عادات و اطوار کو بخوبی بیان کیا ہے۔ وہ مناظر فطرت کی اور موسموں کی رعنائیوں کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اہلِ بیت سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی مشکلات کو بیان کیا ہے۔

۲۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی نے بڑے خوبصورت پیرائے میں لوک کہانیوں کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ عام لوگوں کی دلچسپی اسی وجہ سے شاہ صاحب کے کلام میں زیادہ ہے۔

۳۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی شاعری کی تمام عمارت تصوّف پر کھڑی ہے۔ ان کی صوفیانہ شاعری پر قرآن مجید، مثنوی مولانا روم اور "بیان العارفین"، "ملفوظات شاہ کریم" کے اثرات ہیں۔

قرآن مجید، مثنوی مولانا روم اور بیان العارفین مستقل ان کے مطالعے میں شامل رہیں۔ اس کے علاوہ "نہج البلاغہ" اور "صحیفہء کاملہ" سے بھی فیض یاب ہوئے۔ شاہ صاحب تصوّف کی روایت سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ نہ صرف ہندوستان کی صوفیانہ روایت سے آگاہ تھے بلکہ عربی کی صوفیانہ روایت سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ عربی میں حضرت اویس قرنیؒ سے صوفیانہ روایت کو منسوب کیا جاتا ہے۔ انہوں نے سلسلہ وار حضرت سلمان فارسیؓ، ابو ذر غفاریؓ اور عمار یاسرؓ سے تصوّف میں کسب فیض کیا۔ شاہ صاحب نے غم جاناں کے پردے میں غمِ دوراں کے دکھ بیان کیے۔ انہوں نے زندگی اور ماحول کی تلخیوں کو گیت کی آواز دی، یہی وجہ ہے کہ ان کی آہوں اور سسکیوں میں بھی کئی رنگ ہیں جن کو انہوں نے آوازوں کا روپ دیا ہے۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی نے "سسی پنُوں" اور "عمر ماروی" کی عشقیہ داستان کو بیان کرتے ہوئے اپنے گرد و پیش کے مسائل کو بڑی کامیابی سے موضوع بنایا۔ ان کے کلام میں مایوسی نہیں ہے بلکہ ان کا کلام امید کا پیغام دیتا ہے۔ ان کا کلام اتحاد، باہمی تعاون اور وطن سے محبت کا درس دیتا ہے۔ شاہ صاحب ایسی موسیقی کے قائل نظر آتے ہیں جو انسان پر وجد طاری کر دے اور محبوب حقیقی کے عشق میں غرق کر دے۔ انہوں نے داستان سر سورٹھ میں اسی طرح کے جذبات کو بیان کیا ہے جس میں ایک بادشاہ موسیقی سنتے ہوئے بے خود ہو جاتا ہے وہ اپنے وجود کو موسیقار کے لیے فنا کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

فارسی صوفیانہ شاعری کے اثرات شاہ صاحب کے کلام پر سب سے زیادہ نظر آتے ہیں اگرچہ انہوں نے عربی کی روایت سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ مثنوی مولانا روم تو ان کے سرہانے رکھی رہتی۔ اس کے علاوہ جامی، عطار، حافظ، سعدی، بایزید بسطامی اور ابو سعید ابو الخیر سے بھی متاثر تھے۔ یہاں تک کہ بھگت کبیر کے خیالات و نظریات سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ شاہ صاحب کے کلام میں اچھوتے موضوعات ملتے ہیں۔ کبھی بنجر زمین پر بارش کا نقشہ کھینچتے ہیں تو رحمتِ خداوندی کا درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نئی نویلی دلہن کا شوہر پردیس جاتا ہے تو اس کے دکھ کے پردے میں راہِ سلوک کے راستے میں پیش آنے والی دشواریوں کا ذکر کرتے ہیں۔ انہیں نئے نئے خیالات سوجھتے تھے۔ ان کے کلام میں عربی، فارسی کے علاوہ بلوچی اور براہوی شاعری کے اثرات نظر آتے ہیں۔ وہ بلوچی شاعری سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ان جگہوں کا سفر کیا جہاں بلوچ خاندان آباد تھے۔ ان کے کلام میں دہقان، کنوؤں سے پانی بھرنے والی عورتیں، مزدور اور عشقیہ داستان کے کردار بکثرت ملتے ہیں۔ انہوں نے انسان دوستی، بھائی چارہ، امن، محبت اور مساوات کا درس دیا۔ شاہ صاحب کا کلام ہر طبقے، فرقے اور گروہ کے افراد کے لیے درس حیات ہے۔ ان کے کلام سے تمام فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد یکساں مستفید ہوتے ہیں۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ہم عصر شعرا میں پنجابی شاعر بلھے شاہ اور پشتو کے شاعر رحمان بابا شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے مقامی علامتوں کا سہارا لیا ہے جیسے چرخہ کاتنا وغیرہ۔ شاہ عبداللطیف کی فکری مماثلت بلھے شاہ سے کافی زیادہ ہے جیسے مثال کے طور پر:

سو گھما چرخے کو اور کچھ کرے ناداں
کہ بس دو چار دن کی زندگی ہے
یہاں جیسا کسی نے سوت کاتا
اسے ویسے ہی عزت بھی ملی ہے

(اردو ترجمہ: شیخ ایاز)

کت کڑے نہ وٹ کڑے
چھلّی راہ بھروٹے گھت کڑے

جے پونی پونی کتیں گی
تاں ننگی مول نہ وتیں گی

(بلھے شاہ)

اسی طرح "شاہ جو رسالو" میں کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں زبردست فکری مماثلت بلھے شاہ کی کافیوں سے ملتی ہے۔ ان کے کلام میں سندھ کے موسم، بارش کے بعد کے مناظر اور گھٹاؤں کے چھانے کے دلفریب نقشے، گھٹاؤں کی خواہشیں، ہریالی کی امید اور سندھ کی خوشحالی کے لیے دعائیں ہیں۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

"شاہ عبد اللطیف کو "وائی" کا موجد گردانا جاتا ہے۔ وائی اپنے
مزاج کے اعتبار سے لوک گیتوں کے قریب ہے تاہم غزل
سے بھی اس کی ہئیت مختلف ہونے کے باوجود بعض جگہ ہم
قافیہ مطلعوں کے باعث مشابہت رکھتی ہے۔"(۴)

شاہ صاحب نے کافی کے لیے سندھی میں وائی کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی وضاحت شیخ ایاز نے کی ہے کہ ایک زمانے میں انہوں نے ہالہ کو چھوڑ کر "وائی" نام کے گاؤں میں رہائش اختیار کر لی اور اپنی ہر داستان کے آخر میں جو کلام دیا اس کو وائی کہتے ہیں۔

جذبۂ دلفگار کیا کہیے
خلشِ نوک خار کیا کہیے
اپنے پیار ے بلوچ کی خاطر
سفر کوہسار کیا کہیے
مدعا اپنے ساربانوں کو
روک کر بار بار کیا کہیے
کیچ کی سمت اٹھ رہے ہیں قدم
وصل کا انتظار کیا کہیے

(اردو ترجمہ: شیخ ایاز)

انہوں نے روایتی علامتوں مثلاً حسن و عشق، ہجر و وصال، سوختہ جگر، رند، ساقی، پروانہ، شمع، تیر وغیرہ کو خوبصورتی سے اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ سُر دیسی کی پہلی داستان سسّی کی ہے جہاں تپتے صحرا میں اندھیرا ہو جانے پر جن سات دشمنوں کا ذکر

سسّی کرتی ہے ان میں اونٹ، ساربان، پنوں کے بھائی، سورج، چاند، ہوا اور پہاڑ ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں قرآنی آیات اور احادیث کو استعمال کیا ہے۔ جیسے مثال کے طور پر:

"الست بربکم"، چیالؤن جنھن وار

ترجمہ: کیا میں تمہارا رب نہیں" جس وقت فرمایا

"واللہ مع الصابرین"، آگو ایھین چوءِ

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" آقا نے فرمایا۔

اسی طرح کی کئی مثالیں ان کے کلام سے ملتی ہیں۔

حدیث: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ "اھوئی آچار

ترجمہ: "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا گویا اس نے رب کو پہچان لیا۔" رہابہ اصول

"شاہ جو رسالو" کے ابواب کی تقسیم موسیقی کے سروں کے لحاظ سے کی گئی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ سر کلیان

۲۔ سر یمن کلیاں

۳۔ سر کھنبھات

۴۔ سُر سریراگ اور سُر سامونڈی

اور چند مختصر سروں کی تفصیل بھی دی گئی ہے:

سُر کاپائتی، سُر کاموڈ، سرمومل رانو، سرلیلا چنیسر، سُر سوہنی، سُر سورٹھ، سُر ماروی۔ اس کے علاوہ سُر ماروی، سُر سارنگ اور سسی پنوں سے وابستہ سُر بھی شامل ہیں۔ اگر ان سروں کا مختصر جائزہ لیا جائے تو درج ذیل پہلو ان میں نمایاں نظر آتے ہیں جیسے:

سر کلیان میں توحید و رسالت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ شاہ عبد اللطیف صوفیا کے عقیدہ وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں اور انہی کا پرچار سر کلیان میں کرتے ہیں۔ اس میں دوئی (شرک) کی گنجائش نہیں حق کی تلاش میں خود کو قربان کرنا ہی سچائی کی دلیل ہے جس میں منصور حلاّج نے فنافی الذات کی لذت سے آشنا ہو کر انا الحق کا نعرہ لگاتا ہے اور اسی جرم کی پاداش میں بظاہر اسے سولی پر چڑھا دیا گیا لیکن کامیاب عاشق ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔

اوّل اللہ علیم، اعلیٰ، عالم کا مالک

وہ قادر اپنی قدرت سے قائم ہے قدیم

وہ والی، واحد، وحدہٗ رازق رب رحیم ہے

ثنا کرو اس سچے آقا کی پہلے حمد حکیم کہہ کر

اس معبود برحق نے اپنے لطف و کرم سے تخلیق کائنات کی (۵)

اسی طرح صوفیا کے نزدیک سولی پر چڑھنا محبوب کی خاطر باعثِ اطمینان اور فخر کا باعث ہوتا ہے۔

"دار پر عاشق کیوں خوش نظر آتے ہیں؟

جب آنکھ محبوب سے لڑ جاتی ہے تو دار سچ بن جاتا ہے" (۶)

سر کلیان اور سُر یمن کلیان کے موضوعات قریباً یکساں ہیں۔ عشق، سوز و درد، فراق، ہجر وغیرہ پر بحث کی گئی ہے اور اس کے لیے مرض، مریض اور طبیب جیسی علامتوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے:

تو حبیب، تو طبیب، تو درد کی دوا ہے

میرے محبوب میرے جسم و جاں میں امراض کے انواع ہیں

اے میرے مالک تو مریضوں کو شفا عطا کر (۷)

سُر کھنیات اس سُر میں شاہ عبد اللطیف بھٹائی کا تصوّر حسن موجود ہے۔ شاہ صاحب کا شاعرانہ تصوّر اردو اور سندھی کی روایتی شاعری سے مختلف ہے۔ کیوں کہ برصغیر پاک و ہند کی روایتی شاعری میں محبوب ظلم و ستم کا پیکر نظر آتا ہے لیکن شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے ہاں محبوب نرم و نازک اور لطیف ہے۔ وہ دلکش اور حسن کا پیکر ہے، جس کے سامنے تمام دنیاوی خوبصورتیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔

اے چاند! میں تیری ذات کو محبوب کے برابر نہیں سمجھتا تو رات کو روشن ہوتا ہے۔ میرا محبوب ہر وقت روشن ہے۔ (۸)

سر سری راگ اور سر سامونڈی سمندر اور بحری سفر کے متعلق ہے یہ ایک تمثیلی سُر ہے۔ جس میں انہوں نے سمندر، جہاز اور بحری جہاز کے ذریعے زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ سر سامونڈی میں وہ اس دلہن کا ذکر کرتے ہیں جن کا شوہر کہیں دور چلا جاتا ہے۔

وہ مجھے یہاں چھوڑ کے چلا گیا
مدتیں بیتیں وہاں سے کوئی واپس نہیں آیا
جو چلے گئے ان کا غم نڈھال کر دے گا(۹)

ان سروں علاوہ "شاہ جو رسالو" میں کئی سُر ملتے ہیں ان میں سُر سوہنی، سُر آبری، سُر معذوری، سُر دیسی، سُر کوہیاری، سُر حسینی، سُر لیلا چنیسر، سُر مومل رانو، سُر عمر ماروی، سُر کاموڈ، سُر گھاتو، سُر سورٹھ، سُر کیڈارو، سُر سارنگ، سُر آسا، سُر ڈھر، سُر رام کلی، سُر رپ، سُر کھاہوڑی، سُر کاپائتی، سُر پورب، سُر کارایل، سُر پرھائی اور سُر بلاول شامل ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو کئی عشقیہ داستانوں اور پیشوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی انسان دوستی اور رواداری اور مساوات کا درس دیتے ہیں۔ جیسے حق کے لیے ہمیشہ انسان کو تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ مثال دیکھیں سُر معذوری سے:

"راہِ حق میں تکلیف اٹھانے والے غمگین نہیں ہوں گے دنیا پرستوں کو
خوشنودی حاصل نہیں ہو گی۔ ترک دنیا کرنے والا دنیا کی لذتوں کو فراموش
کر دیتا ہے۔"(۱۰)

اسی طرح انسان اپنا اصل کی طرف بھاگتا ہے۔ سُر عمر ماروی میں ماروی اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہے:

ریشمی پیرہن چرواہنیں نہیں پہنتیں
جو اوڑھنیاں انہوں نے لاکھ کے سرخ رنگ سے رنگی ہیں
مختصر یہ کہ وہ خوبصورت ہیں(۱۱)

"شاہ جو رسالو" در حقیقت محبت، دوستی، امن کا پیغام ہے۔ وہ رنگ و نسل سے ماوراہو کر انسان سے مخاطب ہوتے ہیں، جو اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اس پر بہت سی ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ "شاہ جو رسالو" ان ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔

حوالہ جات:

1. فہمیدہ حسین،ڈاکٹر، "حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی : شخصیت و فن"،(اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء) ،ص ۱۴
2. سیّد عابد مظہر، "شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی صوفیانہ شاعری"، مشمولہ: "پاکستانی زبانوں کے صوفی شاعر"،(لاہور: الفیصل، اردو بازار، اکتوبر ۲۰۱۵ء)، ص ۲۱۸
3. انعام الحق جاوید،ڈاکٹر، "شاہ لطیف بھٹائی: فکری سانجھ"، مشمولہ: پاکستانی زبانوں کے صوفی شاعر،(لاہور: الفیصل، اردو بازار، ۲۰۱۵ء)، ص ۲۲۵
4. ایضاً، ص۔ ۲۲۹
5. شاہ عبد اللطیف بھٹائی، "کلام شاہ عبد اللطیف بھٹائی"، جلد اوّل،(اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۳ء)، ص ۵
6. ایضاً، ص۔ ۱۳
7. ایضاً، ص۔ ۲۰
8. ایضاً، ص۔ ۹۲
9. ایضاً، ص۔ ۶۳
10. ایاز حسین قادری،ڈاکٹر، سید وقار احمد رضوی،ڈاکٹر، "کلام شاہ عبد اللطیف بھٹائی (اردو نثری ترجمہ)"، جلد دوم،(اسلام آباد: اکادمی ادبیات)، ص ۳۵۴
11. ایضاً، ص ۶۳۹